۱

خلیفہ صاحب کی ممتاز شخصیت

قاضی ایم ۔ اسلم

خلیفہ عبدالحکیم میرے ذہن کے افق پر پہلے پہل اس وقت ابھرے جب وہ لاہور کے ایف ۔ سی کالج میں تعلیم پاتے تھے ۔ میں اس وقت امرتسر میں اسکول کے درجہ طے کر رہا تھا اور خلیفہ صاحب کا ذکر اپنے بھائیوں اور عزیزوں سے سنتا جو لاہور کے کالجوں میں پڑھتے تھے—ایک قابل نوجوان جس کی ملاقات بڑے بڑے آدمیوں سے ہے ، جو خود اعتمادی میں ، گفتگو میں ، تحریر میں ، تقریر میں اپنے ہم عمروں میں یکتا ہے اور پبلک جلسوں میں کھڑے ہو کر برملا اظہار خیال سے نہیں چوکتا ۔ لیکن سائنس کے مضامین سے اسے کچھ کد ہے ۔ شاید بزرگوں کے کہنے سننے پر سائنس کے مضامین لے رکھے ہیں لیکن دل کا ذوق کچھ اور قسم کا ہے ۔ اس کے بعد یہ بھی کان میں پڑتا رہا کہ وہ یکتا نوجوان سائنس چھوڑ کر آرٹس کے مضامین لے کر علیگڈھ سے ایف ۔ اے ، بی ۔ اے اور انجام کار مشہور سینٹ اسٹیفنز کالج دھلی سے فلسفہ کا ایم ۔ اے بڑے امتیاز سے پاس کر چکا ہے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں علیگڈھ کالج میں پڑھتا تھا ۔ ایک روز ہماری سائنس ایسوسی ایشن کا خاص اجلاس تھا ۔ سائنس کے استاد تقریباً سب کے سب اس میں شریک تھے : ڈاکٹر ولی محمد ، فیروز الدین مراد ، مسٹر ایچ کرال وغیرھم ۔ فیروز الدین مراد نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا اور ایک جگہ رک کر ایک نوجوان کی طرف اشارہ کرکے اس کی تعریف کرنی شروع کی کہ ہماری قوم میں قابلیت کی کمی نہیں ۔ اس پر ایک نہایت خوش لباس ، خوش شکل گورا چٹا نوجوان اپنی کرسی میں اپنے آپ کو ذرا درست کرنے لگا ۔ منہ پر حجاب کے آثار تھے گویا تعریف سے پانی پانی ہوا جا رہا ہے ۔ معلوم ہوا یہی خلیفہ عبدالحکیم ہیں جن کا ذکر کئی سال پہلے سے سن رہے تھے ۔ بعد میں ان کو یونیورسٹی یونین میں تقریریں کرتے سنا اور مقابلے میں غصہ اور جوش دکھاتے دیکھا ۔ واقعی شخصیت اور اچھی زبردست شخصیت ۔ قدرت نے لیاقت اور ظاہری جاذبیت بھی دے رکھی تھی ، اور کردار کی طاقت اور تیزی بھی ۔ وہ میرے بزرگ دوست اور کالج کے زمانے کے معالج ڈاکٹر عطاءاللہ بٹ کے رشتہ میں بھائی تھے لیکن ان کو قریب سے دیکھنے کا ابھی موقع نہ ملا تھا۔ میں نے علیگڈھ میں تعلیم کے بعد لاہور گورنمنٹ کالج سے ایم۔ اے کیا اور پھر علیگڈھ یونیورسٹی کے اسٹاف میں ایک سال رہ کر پنجاب گورنمنٹ کی سروس میں آگیا اور انجام کار گورنمنٹ کالج لاہور میں

فلسفه اور نفسیات کے شعبه میں پڑھانے لگا۔ اس عرصه میں کیمبرج یونیورسٹی میں بھی دو سال رہ کر تعلیم حاصل کی۔ خلیفه عبدالحکیم بھی اپنے طبعی مذاق یعنی فلسفه کی تعلیم جرمنی میں مکمل کرکے عثمانیه یونیورسٹی میں فلسفه کے پروفیسر بن چکے تھے۔ لاهور اکثر آنا جانا رهتا۔ گورنمنٹ کالج لاهور کے شعبهٔ فلسفه کے صدر پروفیسر جی۔ سی چٹرجی تھے جو ۱۹۲۱ سے ۱۹۳۹ تک اس عهدے پر سرفراز رهے اور گویا شمالی هند میں فلسفه و نفسیات کے بے شمار هندو، سکھ مسلمان شاگردوں کے استاد اور علمی ذوق شوق، مطالعه اور سوچ بچار میں ان کے لئے نمونه تھے۔ چٹرجی غیر معمولی قابلیت کے اسکالر اور بڑی کشش رکھنے والے استاد تھے۔ ان کے لیکچر میں ایک سحر کا سا اثر هوتا اور پڑھائی کا یه گھنٹه ایک سکوت اور کامل استغراق کا گھنٹه هوتا تھا۔ اسی زمانے میں معلوم هوا که چٹرجی سینٹ اسٹیفنز کے اس زمانے کے ایم۔ اے هیں جس زمانے کے اور بھی کئی ایم۔ اے هیں جن میں سے سب نے اپنے اپنے حلقے میں اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق نام پیدا کیا هے۔

پروفیسر ایم۔ ایم شریف جو برسوں علیگڈھ کے شعبهٔ فلسفه کے صدر رهے اور پاکستان بننے کے بعد اسلامیه کالج کے پرنسپل اور اس وقت انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر کے ڈائرکٹر (گویا اس زمره میں خلیفه عبدالحکیم کے جانشین) اور پاکستان فلاسفیکل کانگریس کے بانی اور مستقل صدر اور پاکستان کے متعدد علمی اور تعلیمی کاموں اور منصوبوں کے سربراه — وه بھی اس زمانے کے سینٹ سٹیفنز دهلی کے ایم۔ اے هیں۔ میرے دوست اور استاد اور گورنمنٹ کالج لاهور میں برسوں کے ساتھی ملک احمد حسین حال پرنسپل اسلامیه کالج گوجرانواله بھی اسی زمانے کے هیں۔ اسلامیه کالج پشاور کے پروفیسر عبدالرحیم نیازی بھی جن کے بے شمار شاگرد ان سے والهانه تعلق رکھتے هیں اسی زمانے کے هیں۔ کچھ اور بھی مثلاً پروفیسر برکت الله جو کچھ زمانه تعلیم و تدریس میں ره کر بعد میں پادری بن گئے۔ پروفیسر اسرائیل لطیف بھی جو بڑے زمانے تک ایف سی کالج لاهور کے شعبهٔ فلسفه و نفسیات کے کرتا دھرتا رهے اور نفسیاتی معالج کے طور پر کام کرتے هے اسی زمانے کے تھے۔ یه سب اور ان کے آگے پیچھے کئی اور فلسفه کی تعلیم پانے والے شمالی هند کے ایک مشهور اور یاد رهنے والے استاد مسٹر این کے سین کے شاگرد اور ان کی علمی عظمت اور مشفقانه کردار کا گویا ثبوت هیں۔ اس تعلق کی وجه سے خلیفه عبدالحکیم بھی جب لاهور آتے تو چٹرجی سے ملتے اور همیں بھی خلیفه صاحب کی گفتار اور ان کے لطائف اور نوک جھوک سننے کا قریب سے موقعه ملتا۔ ایک تقریب اس وقت کی پنجاب لٹریری لیگ کے ماتحت تھی (اس لیگ کے ذکر پر اس کے ان تھک سیکریٹری مسٹر دیو راج چودھری کو داد دینی پڑتی هے که اس شخص

نے برسوں ایک معیار اور ایک رفتار پر اس نہایت ہی دلچسپ اور مفید ادارے کو چلایا ۔ اس میں بڑے سے بڑے ہندو سکھ مسلمان اہل علم ، ہر فن اور ہر میدان کے دھنی شامل ہوتے اور اپنے افکار اور اظہار خیال سے دوسروں کو مستفید کرتے) ۔ اس تقریب میں خلیفہ عبد الحکیم اپنی فلسفیانہ پوزیشن کو پیش کر رہے تھے ۔ غالباً دو تین لیکچروں کا سلسلہ تھا ۔ عنوان '' خدا اور انسان '' یا اس سے ملتا جلتا تھا ۔ یعنی خالق مخلوق میں جو صفاتی مشابہت اور صفاتی امتیاز پایا جاتا ہے اس کے پردے میں ایک مستقل فلسفہ حاضرین کے لئے پیش کیا جا رہا تھا ۔ ہمارے لئے (یعنی لاہور کے نسبتاً کم عمر استادوں کے لئے) یہ تقریب خاص دلچسپی کا باعث تھی ۔ ہم سب پر چٹرجی کے علم، فصاحت و بلاغت، انگریزی زبان پر قدرت اور تخیل اور فکر کی چمک دمک کا اثر تھا ۔ چٹرجی آزاد خیال سہی لیکن ہندو نام کے عیسائی تھے ۔ ان کی لیاقت کے اعتراف کے ساتھ ہمیں کچھ رشک اور مقابلے کا احساس بھی ہوتا تھا ۔ کیا کوئی مسلمان استاد فلسفہ بھی ان کی ٹکر کا ہے؟ خلیفہ عبدالحکیم کو دیکھ کر اور ان کی تقریر سن کر ہم کو یہ محسوس ہوا کہ کیوں نہیں ہے اور واقعی ہے بلکہ خود اعتماد اور مذاکرے میں ڈٹ کر لڑنے والا اور نہ ہارنے والا ہے جو لاہور میں پیدا ہوا اور لاہور ہی سے ابھر کر دکن کی ایک مشہور یونیورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کا صدر ہے ۔ چٹرجی کیمبرج کے ایک استاد پروفیسر مور سے پڑھ کر اس جدید (اس وقت کے جدید) فلسفہ کے شارح بنے تھے جو اپنا سارا رنگ ڈھنگ طبعی سائنس سے لیتا ہے ۔ گویا سائنس جب بالکل نظری اور نظریاتی ہو جاتی ہے اور اپنے تمام مشاہدات اور معروضات کو ایک جامع اور مانع بیان میں اتار کر پیش کرنے لگتی ہے ۔ چٹرجی اس قسم کی سائنس کے ملتے جلتے فلسفہ کے داعی تھے ۔ ان کو انگریزی زبان پر خاص قدرت حاصل تھی ۔ تھوڑا پڑھاتے لیکن خوب اچھی طرح سے ۔ نچوڑ ان کی شرح و بسط کا دھریت ہی ہوتا ۔ مجھے یاد ہے کہ کئی موقعوں پر جب مذہب کے متعلق بحث چھڑ گئی تو وہ مذہب کے خلاف تھے اور باقی سب لوگ ان کے خلاف تھے ۔ بعد میں مجھے محسوس ہونے لگا کہ وہ غالی دھریئے نہ تھے بلکہ شاید دھریہ تھے ہی نہیں ۔ صرف ماحول کا مقابلہ کرتے کرتے وہ دھریت کا دم بھرنے لگتے تھے ۔ واللہ اعلم ۔

بہر حال پنجاب لٹریری لیگ کے ان دو تین اجلاسوں میں خوب گہما گہمی رہی ۔ خلیفہ عبدالحکیم مقرر اور چٹرجی صدر ۔ ہر تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ اور وہ بھی زیادہ تر مقرر اور صدر کے درمیان ۔ خوب مزہ آتا تھا ۔ دونوں کا نقطۂ نظر کافی مختلف ، جذباتی میلان بھی مختلف، کلچرل پس منظر بھی مختلف، انگریزی بولنے کا طرز بھی مختلف ، چٹرجی نہایت لطیف انگریزی لہجے

اور انگریزی اسٹائل کی انگریزی بولتے اور خلیفہ عبدالحکیم پنجابی طرز اور پنجابی سٹائل کی انگریزی بولتے لیکن ٹھوس اور نہایت صحیح ۔ دونوں ایک دوسرے کی ٹکر کے تھے لیکن ایک فرق نمایاں تھا۔ چٹرجی باوجود ہر کمال کے بحث میں دب جاتے لیکن خلیفہ عبدالحکیم دبنے کا نام نہ لیتے۔ خلیفہ عبدالحکیم کا علمی مذاکروں اور علمی مجالس میں ہمیشہ یہی کمال نمایاں رہا (کم از کم میرے نزدیک) کہ وہ کسی سے دبنا نہ جانتے تھے ۔ اس کی اور مثالیں بھی شاید آگے آئیں ۔

پاکستان کی تحریک تیز ہونے پر خلیفہ عبدالحکیم عثمانیہ یونیورسٹی سے فارغ ہوکر اس وقت کی حکومت کشمیر میں ڈائرکٹر تعلیمات بن گئے تھے ۔ ان سے پہلے خواجہ غلام السیدین اسی عہدے پر رہ چکے تھے۔ لیکن خلیفہ صاحب کو یہ عہدہ پسند نہ تھا ۔ وہ ڈائرکٹری کے کام کو ہیڈ کلرکی سے موسوم کرتے تھے ۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت کشمیر مسلمان ڈائرکٹر تعلیمات رکھ کر اپنے ڈھب کا کام کروانا چاہتی تھی ۔ اس لئے خلیفہ صاحب جلد ہی وہاں سے لاہور آگئے ۔ مجھے انہیں قریب سے دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقعہ اسی زمانہ میں ملا ۔ اب پاکستان بھی بن چکا تھا اور پاکستان کے مخصوص مسائل لوگوں کے سامنے آرہے تھے اور سوچنے والوں کے دل و دماغ کو گرما رہے تھے ۔ اس زمانے میں پہلے ان کی عزیز اور امرتسر کے مشہور بیرسٹر مسٹر سعید حسین کی بیٹی ثریا (بیگم ذکا رحمت اللہ) کو ایم اے سائیکالوجی میں داخل کروانے کے لئے گورنمنٹ کالج میرے پاس لائے اور پھر اپنی بیٹی رفیعہ (بیگم مسعود حسن) کو۔یہ دونوں نہایت ہی ذہین اور ہر وقار طالبات ثابت ہوئیں اور دونوں اس وقت عائلی زندگی کی ذمہ داریوں کے علاوہ سائیکالوجی کی خدمت کا بار بھی اٹھائے ہوئے ہیں ۔ ثریا کراچی یونیورسٹی میں لیکچرار کلینک کی انچارج ہیں اور رفیعہ پنجاب یونیورسٹی میں ۔

خلیفہ صاحب کے فرزند عارف حکیم اس سے پہلے گورنمنٹ کالج سے ایم ایس سی پاس کرچکے تھے اور خلیفہ صاحب عارف کو بھی خود داخل کروانے آئے تھے ۔ اس وقت بھی وہ ہمارے اسٹاف روم میں کافی دیر تک بیٹھے رہے اور لطائف و ظرافت اور اپنی دلچسپ گفتگو سے حاضرین کو محظوظ کرتے رہے۔ عارف اور رفیعہ (بیٹے اور بیٹی) کے ذکر پر یہ بات بھی یاد آئی کہ ایک دفعہ میں نے خلیفہ صاحب کے سامنے عارف کی تعریف کی اور کہا کہ بالکل آپ کی طرح ہے — خوش شکل، ذہین وغیرہ ۔ تو اس کے جواب میں خلیفہ صاحب نے کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن میرا دماغ اور میرا علم رفیعہ کو ملا ہے۔

پاکستان کے بننے کے بعد جلد ہی یہ سننے میں آنے لگا کہ خلیفہ صاحب اسلام کے متعلق ایک کتاب کی تیاری میں مصروف ہیں ۔ پہلے یہ سنا تھا

کہ کتاب مختصر سی ہوگی، شاید رسالے کے برابر - لیکن جب کتاب شائع ہوئی تو اچھی خاصی ضخیم تھی - یہی وہ کتاب ہے جس سے خلیفہ صاحب کو پاکستان میں اور پاکستان کے باہر بڑی شہرت حاصل ہوئی اور جس کی وجہ سے وہ روشن خیال مسلمان مؤلفین اور مفکرین کی اس صف میں شامل ہوگئے جس میں سید احمد خان ، سید امیر علی اور علامہ اقبال کھڑے نظر آتے ہیں- یہ نام ہمارے عظیم ترین ناموں میں سے ہیں - ان میں سے ہر ایک اپنے درجہ اور ایک خاص قسم کی عظمت کا مالک ہے- خلیفہ صاحب کا بھی ایک خاص درجہ اور جداگانہ مرتبہ ہے - لیکن اس میں شک نہیں کہ ان سب میں ایک بات مشترک ہے، اور وہ تقلید اور مروجہ خیالات سے آزادی ہے - خلیفہ صاحب نے ان جیسا مقام تو حاصل نہیں کیا لیکن ان سے بہت کچھ لے کر اپنا ایک خاص مقام بنالیا -

خلیفہ صاحب کی کتاب اسلامک آئیڈیالوجی لبرل اسلام کی نمایندہ اور موثر تشریح ہے - کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے (میں خود بھی اس تشریح سے پورا متفق نہیں) لیکن لبرل اسلام ہمارے زمانے میں ایک خاص مکتب فکر ہے جس نے اسلام سے تعلق اور اس سے محبت اور اس کا احترام قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کے خیالات اور اس کے پیش کردہ چیلنج کو سمجھتے اور قبول کرتے ہوئے اسلامی تاریخ ، اسلامی تعلیمات اور اسلامی ثقافت کی وضاحت کی ہے - اس طرز فکر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس سے مسلمانوں کا نو تعلیم یافتہ طبقہ اسلام سے واقف ہوگیا اور اس طبقے کا جذباتی اور علمی تعلق اسلام سے قائم رہا - دوسرا فائدہ اس طرز فکر کا یہ ہوا کہ مغربی مولفین اور مفکرین کو بھی اسلام کے متعلق مسلمانوں کا نقطہ نظر بڑی حد تک معلوم ہوگیا - یہ دو فائدے ہمارے زمانے کے کسی اور مکتب خیال سے اس طرح حاصل نہیں ہوسکے جس طرح لبرل اسلام کے لٹریچر سے حاصل ہوئے -

لبرل اسلام کیا ہے؟ لبرل اسلام در اصل اسلام کی ایک نرم قسم کی تشریح ہے جو اسلام کو مغرب کے لئے اور مغربی تعلیم اور مغربی افکار سے متاثر مسلمانوں کے لئے زیادہ قابل فہم بنا دیتی ہے - اور یہ تشریح قابل قدر ہے کیونکہ اس کا فائدہ اسلام اور مسلمانوں اور مغرب اور مغربی افکار دونوں کو ہوا ہے - اگرچہ اس میں شک نہیں کہ لبرل اسلام بعض مسائل میں بہت زیادہ نرمی سے کام لیتا ہے یا جدید خیالات اور جذبات سے زیادہ متاثر معلوم ہوتا ہے اور خلیفہ عبدالحکیم کے طرز فکر میں بھی اس کی کچھ مثالیں ملتی ہیں - اس کے باوجود خلیفہ عبدالحکیم کی تحریروں میں لبرل اسلام کے بہترین نقوش ملتے ہیں- جس کسی کو ان نقوش سے واقفیت پیدا کرنے کا شوق ہو (اور کسے نہ ہوگا ؟) اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ خلیفہ صاحب کی تحریروں کا بغور مطالعہ کرے-

خلیفہ صاحب کی ذہانت اور تقریر و تحریر کی قدرت ان کے علاوہ تھی۔
پاکستان کی فلاسفیکل کانگریس کی بنیاد رکھی گئی، پروفیسر میاں محمد شریف
صاحب اس کے بانی مبانی اور روح رواں تھے۔ لاہور میں پہلا سیشن منعقد
ہونا قرار پایا۔ گویا لاہور میزبان تھا۔ اس لئے ضروری قرار پایا کہ اس سیشن
کا صدر کوئی لاہور سے باہر کا ہونا ضروری ہے۔مشرقی پاکستان کے ڈاکٹر ممتازالدین
احمد صاحب کی طرف خیال گیا۔ انتظام کے بعد انہوں نے کوئی عذر پیش کردیا۔
پھر مشہور ادیب، مقنن اور فلسفی مسٹر اللہ بخش خان بروھی کو دعوت بھیجی
گئی۔ انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا لیکن مشروط کردیا۔ آخر جو شرط انہوں
نے لگائی تھی (غالباً یہ شرط تھی کہ مجھے حکومت باہر امریکہ وغیرہ کسی
کام پر انہی تاریخوں ہی میں نہ بھیج دے) وہ پوری ہوئی اور وہ بھی ہمارے
ہاتھ سے نکل گئے اور دن بہت تھوڑے رہ گئے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ اب
بمجبوری فلاسفیکل کانگرس اگرچہ لاہور میں منعقد ہو رہی ہے اس کے پہلے
سیشن کا صدر اگر لاہور ہی کا باشندہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ خلیفہ
عبدالحکیم صاحب کو دعوت دی گئی، خیال نہ تھا کہ آپ اس قلیل وقت میں
اپنا خطبہ صدارت لکھ دیں گے لیکن آپ نے نہ صرف ایک طویل خطبہ لکھ دیا
بلکہ اتنے قلیل وقت میں لکھ دیا کہ ہم اسے چھپوانے کے بعد عین موقعہ پر تقسیم
کرنے میں کامیاب ہوگئے اور پاکستان میں فلسفہ کی ترویج اور فلسفیانہ تحقیقات
کے فروغ کے لئے بعض نہایت ہی قیمتی تجاویز بھی پیش ہوگئیں۔ چنانچہ تاریخ
فلسفہ، اسلام جو اس وقت پاکستان حکومت کی زیر نگرانی مرتب ہو رہی ہے اسی
خطبہ کی ایک تجویز کا نتیجہ ہے۔
اس قسم کی مثال گورنمنٹ کالج لاہور کی ایک کانووکیشن بھی ہے۔ اس
کے لئے بھی نہایت قلیل نوٹس پر خلیفہ صاحب کو ایڈریس کی دعوت دی گئی
جو انہوں نے بلا حیل و حجت قبول کی اور سرعت سے اپنا خطبہ مرتب کرکے
بھیج دیا۔
خلیفہ صاحب کی ذہانت اور قوت بیان کا مظاہرہ خطبات اور مقالات کے
لکھنے تک ہی محدود نہ تھا۔ اس کا مظاہرہ اس سے کہیں زیادہ ان کی برجستہ
تقریروں میں ہوتا تھا۔ بسا اوقات ہماری فلاسفیکل کانگرس میں کوئی مذاکرہ
بھی پروگرام میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اور مقررین تو یکے بعد دیگرے کوئی
نہ کوئی عذر کرکے تقریر سے گریز کر جاتے لیکن خلیفہ صاحب سے جب کہا
جاتا تو وہ ہر وقت تیار پائے جاتے۔ اور اگر موضوع اقبال یا اقبالیات کی کوئی
شاخ ہوتی تو پھر تو مذاکرے میں جان پڑجاتی اور سننے والے نہ صرف سنتے
بلکہ سر دھنتے۔
مجھے خلیفہ صاحب کی آخری تقریر سننے اور ان کی آخری تحریر دیکھنے

بلکہ اس کا موجب ہونے کا موقعہ ملا - جنوری سنہ ۱۹۵۹ء میں کراچی میں ایک مذاکرے (سیمینار) کا انتظام ہوا - اسی قسم کا جیسا کہ اس سے پہلے لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کی زیر نگرانی ہو چکا تھا - مسلمان عالموں کے علاوہ یورپ ، امریکہ اور کنیڈا اور سیلون ، سوڈان ، لبنان وغیرہ کے اسکالر بھی شریک ہوئے- اسلام اور دنیائے جدید کے تقاضے زیر بحث تھے - مختلف صورتوں میں بار بار یہی ہوتا کہ مغربی اسکالر اور مسلمان اسکالر ایک دوسرے کے مد مقابل بن کر تقریریں کرتے اور بحث میں اکثر مناظرے کا رنگ پیدا ہو جاتا - باوجود اس کے کہ خلیفہ صاحب ایک لبرل مسلمان سمجھے اور مانے جاتے تھے اور خود میں نے بھی انہیں لبرل مسلمان کی حیثیت سے پیش کیا ہے ، ہم نے یہ دیکھا کہ جہاں اسلام اور مسلمانوں پر کوئی غیر مسلمان (مغربی یا غیر مغربی) نکتہ چینی کی جرأت کرتا وہاں اس کے جواب میں خلیفہ صاحب ہی سب سے زیادہ آمادگی اور سب سے زیادہ جرأت دکھاتے - لندن کی خاتون پروفیسر لمٹن نے اپنے مقالے میں کچھ اسی قسم کی باتیں کہی تھیں- خلیفہ صاحب نے اس کا مضمون وہیں اجلاس میں دیکھا- میں خلیفہ صاحب کے ساتھ کی کرسی پر بیٹھا تھا اور میں نے بھی کچھ بے اختیار ہو کر کہدیا کہ مجھے اس مقالے سے دکھ ہوا اور جی چاہتا ہے کہ اس کا جواب دیا جائے- پھر کیا تھا خلیفہ صاحب اپنی باری پر اٹھے اور خوب مناظرانہ رنگ میں ترکی بہ ترکی جواب دیا جس سے طبیعت خوش ہو گئی - خلیفہ صاحب کا یہی وصف ان کو باقی لبرل مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے - باقی لبرل مسلمان اگر معذرت خواہ قسم کے نہیں ہوتے تب بھی ان کا شوق تبلیغ اور شوق دفاع اتنا تیز نہیں ہوتا جتنا خلیفہ صاحب کا تھا - اس شوق کے ساتھ ان کے دل میں اسلام کے مستقبل کے متعلق ایک امید اور ایمان پایا جاتا تھا جو ان کے اسلامی جوش کو باقی لبرل مسلمانوں سے ممتاز کر دیتا -

مذاکرے کے اسی اجلاس میں میں نے رقعہ لکھ کر ان کے سامنے رکھا (مذاکرے کے ادب کی وجہ سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع نہ تھا)- میں نے لکھا تھا کہ وجود باری یا تصور باری تعالیٰ کے متعلق سید احمد خان، علامہ اقبال اور خلیفہ عبدالحکیم کے تصور اور طرز فکر میں ایک باریک فرق ہے جس پر ایک مقالہ لکھا جانا چاہئے اور یہ مقالہ خلیفہ صاحب کو ہی لکھنا چاہیے - جب میں نے یہ رقعہ ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے سر ہلایا اور کہا کہ نہیں، اگر لکھنا ہی ہے تو کوئی اور لکھے ، یا شاید مجھے کہا کہ تم لکھو - میں نے بھی سر ہلایا - اس پر انہوں نے رقعہ اٹھایا اور اس پر یہ شعر لکھ دیا :

بازیچهٔ کفر و دیں به طفلاں بسپار
بگذر از خدا هم که خدا هم حرفیست

یه شعر خلیفه صاحب کی آخری تحریر ثابت هوا۔ دوسرے روز وہ مذاکرے میں شریک نہیں هوئے کیونکه بعض ضروری ملاقاتوں کا پروگرام تھا۔ انہی ملاقاتوں میں مسٹر ممتاز حسن سکریٹری فنانس سے ملاقات بھی شامل تھی اور انہی کے دفتر میں خلیفه صاحب نے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006